قرآن کریم میں تاریخ کا مطالعہ

مؤلف: سید محمد نقیب

مترجم: مولانا سید نذر امام نقوی

خلاصہ

تاریخ اور ماضی کے واقعات کے سلسلہ میں قرآن کریم کا کردار اس فرد کی مانند ہے جو مقام بلند و بالا سے اس پر نگرانی رکھتے ہوئے مکمل طور پر اس کی تمام تفصیلات کا بالعین شاہد اور ناظر رہتا ہے۔

اس آفاقی کتاب کو ہمہ جانبہ زاویہ نگاہ سے واقعات و حالات اور ان کے کوائف کے زائد و اضافی پہلوؤں کے شاخ و برگ کی صفائی کے بعد عام، تاثیر گذار، جامع و مکمل اور مستقبل ساز نتائج کے حصول کا ملکہ اور تبحر حاصل ہے۔

قرآن کریم نے ایک مجموعی اور مکمل زاویہ نگاہ مختلف اور گوناگوں، تعلیمی، تربیتی، سماجی، سیاسی زاویہ نیز قوانین اور سنتوں نیز معاشرے میں موجود مختلف افکار و نظریات اور معاشروں کی عظمت و زوال کے علل و اسباب کے وجوہات کی شناخت پر توجہ ملحوظ رکھتے ہوئے مواقع و محل اور زمانہ و مقام کے خصوصیات نیز افرادی خصوصیات کے علاوہ خاص واقعات پر توجہ دیئے بغیر، زمانے کی تطبیق اور کلیہ و مجموعی قواعد کو موقع فراہم کئے بغیر، قرآن کی جاودانگی پر مبنی نظرئے کے اثبات کے امکان کو نظر میں لائے بغیر تاریخ و واقعات کا ناظر و نگراں رہا ہے، مندرجہ ذیل مقالے میں ہماری کوشش ہوگی کہ قرآن مجید کے زاویہ نظر تاریخ کے عمل و دخل اور استعمال کے موضوع کی وضاحت میں تجزیاتی و تحقیقی بحث کو تین مراحل، تعلیمی و تربیت عمل دخل اور استعمال (شناخت پر مبنی عمل دخل) اور (سماجی و سیاسی) استعمال (عمل و دخل) پر بحث کی جائے۔

۱۔ تمہید

قرآن مجید، تاریخی تجربات کو شفیق و ناصح استاد کی حیثیت سے جانتا ہے کیونکہ اس نے حالات و واقعات پر مبنی معلومات و تجربات کو مرحلہ بہ مرحلہ تربیت نیز کمال و سعادت کی منزلوں تک پہنچانے کے لئے انسانوں کے اختیار میں دیا ہے تاکہ وہ ان تجربات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے، دیگر حاصلہ تجربات وآزمائش اور خطاؤں سے بے نیاز نیز آنے والے مسائل و مشکلات اور غلط فیصلوں کے علاوہ اضطراب و بے چینی اور غلط خوش فہمیوں سے خود کو محفوظ و مامون رکھ سکے اور خود کے لئے تابناک و روشن مستقبل کا خاکہ بنا سکے۔

اس تحریر کے ذریعہ اس مسئلہ کا جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی کہ قرآن مجید ماضی کی تاریخ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کس طرح سے تاریخ کے تعلیمی، تربیتی اور ماضی کی تاریخ کی شناخت نیز سماجی و سیاسی مسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے فائدہ اٹھا سکتا ہے؟ کیونکہ اس طرح کے تجربات انسان کو سیکھنے اور آزمائشوں میں کامیاب ہونے کا موقع فراہم کرتے ہیں اور ماضی کو مستقبل کا آئینہ قرار دیتے ہیں۔

۲۔ قرآن مجید میں تاریخ کا تعلیمی و تربیتی پہلو

لغت میں (تعلیم) لفظ کا مطلب (سکھانا اور تعلیم دینا) ہے (دہخدا، لفظ تعلیم کے ذیل میں) اور اصطلاحات (دوسروں کو یاد دلانے اور سکھانے کا ہنر) کے معنی میں مستعمل ہے (رجوع کریں: فرہنگ علوم رفتاری، ص ۲۳)

لغت میں تربیت کا لفظ بھی حد کمال تک پہنچنے کے لئے تدریجی رشد و شکوفائی کے معنی میں مستعمل ہوا ہے (راغب اصفہانی، ص ۳۳۶) اور اصطلاحاً: کمال مطلوب و ترقی کی راہ میں پائی جانے والی رکاوٹوں کو دور کرنے اور مطلق طور پر انسانی صلاحیتوں کا مناسب پروگرام کے تحت عمل میں لانے کو کہتے ہیں۔ (رک: دلشاد تہرانی، سیری در تعلیم و تربیت، ص ۳۴۱؛ مطہری، مجموعہ آثار جلد ۲۲، ص ۵۵۲)

تعلیم کا کام صرف سکھانا ہے اس کا سیکھنے والے کے عمل سے کوئی لینا دینا نہیں ہوتا ہے چونکہ اکثر اوقات بہت سی سیکھی ہوئی باتیں عملی شکل اختیار نہیں کر پاتیں، لیکن تربیت انسان کی اصلاح اور رشد و کمال کی طرف رہنمائی

کرتی ہے اور تربیت دینے والا اپنی ہدایات ، رہنمائیوں وانداز و انتباہ کے ذریعہ لوگوں کو ہلاکت خیز دلدل میں گرنے سے روکنے کا کام کرتا ہے اور کمال ہدایت کی راہ میں اس کی حوصلہ افزائی بھی کرتا ہے۔

۳۔ تاریخ کا تعلیمی وتربیتی پہلو

قرآن کریم تاریخی تجربات کو ناصح و مشفق استاد کی طرح سمجھتا ہے چونکہ اپنی معلومات اور چھوٹے بڑے ، تلخ و شیریں تجربات واقعات و حوادث سے متعلق اپنے تجربات اور کامیابی و ناکامی، سرگذشت نیز اقوام عالم کی عظمت و پستی وانحطاط کو تدریجی تربیت اور انسان کو سعادت و کمال تک پہنچانے کے لئے اس کے اختیار میں قرار دیتا ہے تاکہ وہ اپنے سامنے پائی جانے والی ہزاروں مشکلات اور غلط فیصلوں نیز اضطرابات اور غلط خواہشات سے خود کو چھٹکارا دلاتے ہوئے اپنے مستقبل کی راہ کا خاکہ تیار کرسکے، قرآن مجید تاریخ کے اس مرحلے اور پہلو سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ،پہلے مرحلہ میں تعلیمی مقصد کو آگے بڑھاتا ہے اور اس کے بعد اپنے انتباہ کے ذریعہ انسان اور معاشرے کی اجتماعی اور انفرادی طور پر تدریجی تربیت کا آغاز کرتا ہے، کیونکہ تجربہ انسان کو سیکھنے اور آزمانے کا موقع فراہم کرتا ہے اور ماضی کو مستقبل کا آئینہ قرار دیتا ہے، ذیل میں معاشرے کی تعلیم وتربیت کے سلسلہ میں قرآن مجید جن تاریخی ماحصل سے استفادہ کرنا ہے آپ کے لئے بیان کرتے ہیں:

۳/۱۔ عقیدہ کی اصلاح

جنگ احد میں مسلمانوں کی شکست کے بعد، ان کی ایک تعداد نے کہ جنہیں شکست کی توقع نہیں تھی، خدا پر غلط اور نازیبا و بے بنیاد بہتان تراشی کا ارکتاب کیا(آل عمران، ۱۵۴) جو کہ جاہلیت پر مبنی تھا اور خدا کی اس طرح سے توصیف کی جو کہ جاہلیت کے دور کے لوگوں کا شیوہ و وطیرہ تھا، وہ کہنے لگے: هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ، در حقیقت انہوں نے جاہلیت کے خیال کو خود پر حاوی کیا کیونکہ مشرکوں کی طرح انہوں نے خدا کا شریک و مثل قرار دیا کہ جن میں سے ایک پیمبر کی ذات ہے اور انہوں نے خود نبی کو رب کا درجہ دے دیا گویا کہ خداوند عالم نے دشمن پر کامیابی اور اس سے مال غنیمت حاصل کرنے کا اختیار رسول کو دے دیا ہے۔ (ترجمہ تفسیر المیزان، ج ۴، ص ۴۷)

قرآن مجید اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے تاریخ اسلام میں رونما ہونے والی جنگ بدر کی اہم روداد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جنگ احد میں شکست کی وجوہات کے سلسلہ میں مسلمانوں کی ایک تعداد شرک سے آلودہ نظریات کی اصلاح کاامکانی ذریعہ قرار دیتا ہے۔

قرآن مجید اس پہلو باور کرانے کے لئے کہ اس سلسلہ میں پیغمبر اکرم ﷺ کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے، لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ (آل عمران، ۱۲۸) اور یہ کہ سارے امور کا اختیار اللہ تبارک و تعالی کو حاصل ہے" إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ "(آل عمران، ۱۵۴) اور قوم وملت نیز فطرت اور دین توحید وغیرہ، وہی ملت و دین ہے جس میں مالک صرف اللہ سبحانہ تعالی کو مانا گیا ہےاور اللہ کے سوا کسی بھی امر میں کوئی بھی مستقل موثر نہیں ہے، قرآن مجید جنگ بدر میں مسلمانوں کی کامیابی کے اسباب وعوامل کے ذریعہ انہیں یہ سکھانا چاہتا ہے کہ اگر کچھ لوگوں کا ایک گروہ مومن ہو اور اپنے ایمانی فرائض پر عمل کرے تو خدا کی سنت اس کے شامل حال ہوگی، جیسا کہ جنگ بدر میں باوجود اس کے کہ دشمن کے مد مقابل ظاہری حالات مسلمانوں کی ناکامی کے آشکار علائم و شواہد پیش کر رہے تھے (کیونکہ دشمن کی قوت و فوجی ساز و سامان کے لحاظ سے مسلمانوں کی تعداد سمیت طاقت بھی کمزور رکھی) لیکن وہ اپنے ایمان کی طاقت کے بل بوتے دشمن کو شکست دینے میں کامیاب ہوگئے، قرآن کریم اس کامیابی کی حقیقت کو مسلمانوں کے اندر پائے جانے والے صبر کا نتیجہ قرار دیتا ہے جو باعث ہوا کہ امداد الہی کی سنت انہیں کامیابی سے ہمکنار کرے نہ یہ کہ اس کامیابی میں رسول اکرم ﷺ کو مؤثر قرار دیا گیا ہو، قرآن مجید مستقبل میں ہونے والی اس طرح کی کامیابیوں کو قطعی اور حتمی امر قرار دیتا ہے، البتہ اس شرط کے ساتھ مستقبل میں مسلمانوں کے اندر جنگ بدر جیسی صفات پائی جائیں:

"وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ إِذْ تَقُولُ لِلْمُؤْمِنِينَ أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُنْزَلِينَ بَلَىٰ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ۔"

اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب کہ تم کمزور تھے، تو پھر اللہ سے ڈرو (تقوا اختیار کرو) تاکہ اس کی عطا کردہ نعمت کا شکریہ ادا کر سکو اس وقت جب کہ تم مومنین سے کہتے تھے، کیا یہ کفایت نہیں کرتا کہ تمہارے پروردگار نے آسمان سے بھیجے گئے تین ہزار فرشتوں کے ذریعہ مدد کی؟ ہاں! آج بھی اگر تم استقامت دکھاؤ اور تقویٰ اختیار کرو اور (یہ اندیشہ ہو کہ) عنقریب دشمن تم پر حملہ کر دے تو اللہ پانچ ہزار فرشتوں کے ذریعہ جو کہ جو نشانیاں اٹھائے ہوں گے، تمہاری مدد کرے گا لیکن ان سب کو بشارت اور تمہارے اطمینان کی خاطر قرار دیا ہے، ورنہ کامیابی تو صرف اللہ کے دست قدرت میں ہے جو کہ بڑی حکمت والا ہے۔ (آل عمران، ۱۲۳۔۱۲۶)

جنگ احد میں شکست کے بعد جنگ بدر کی تاریخی روداد کی یاد دہانی کا ماحصل نیز اس جنگ میں کامیابی کی وجوہات کی وضاحت کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو یہ سکھا دیا گیا کہ اگر مقابلے کے میدان میں اگر ایسے افراد ہوں جن کے اندر آسمانی رسالت کا تجسم پایا جاتا ہو لیکن ان کے اندر ایمانی صفات کا فقدان ہو تو انہیں الٰہی کامیابی حاصل نہیں ہو پائے گی اور اس امر کا پیغمبر اکرم ﷺ کی ذات اور ان کے اندر الٰہی طاقت و اختیار سونپے جانے سے کوئی ربط نہیں رکھتا ہے۔

۳/۲۔ عبرت حاصل کرنا

قرآن مجید کی جملہ موثر اور کارآمد ترین تربیتی روش، عبرت آموزی پر مبنی تاریخی روش ہے، قرآن مجید کی کچھ آیات میں ماضی میں رونما ہوئی کچھ رودادوں کو انسانوں کی عبرت آموزی کے لئے بطور ہدایت و نصیحت بیان کیا گیا ہے۔ قرآن مجید سورہ حشر میں ایک تاریخی واقعہ کا تذکرہ کرتا ہے اور قرآن مجید سب سے مطالبہ کرتا ہے کہ اس واقعہ کے کردار نے ماضی میں جو کچھ انجام دیا ہے سبھی لوگ اس پر توجہ دیں، اسے بصیرت کی نگاہ سے دیکھیں اور عبرت حاصل کریں تاکہ جو انجام ان کا ہوا ہے، اس طرح کے انجام سے یہ لوگ بچے رہیں:

"هُوَ الَّذِي أَخْرَجَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ دِيَارِهِمْ لِأَوَّلِ الْحَشْرِ ۚ مَا ظَنَنْتُمْ أَنْ يَخْرُجُوا ۖ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ مَانِعَتُهُمْ حُصُونُهُمْ مِنَ اللَّهِ فَأَتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ حَيْثُ لَمْ يَحْتَسِبُوا ۖ وَقَذَفَ فِي قُلُوبِهِمُ الرُّعْبَ ۚ يُخْرِبُونَ بُيُوتَهُمْ بِأَيْدِيهِمْ وَأَيْدِي الْمُؤْمِنِينَ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ"۔

وہ وہی ہے جس نے اہل کتاب کافروں کو (مسلمانوں کے ساتھ) ان کے پہلے مقابلے کے موقع پر ان کے گھروں سے نکال باہر کیا، جب کہ تم یہ خیال کرتے تھے کہ وہ نہیں نکل سکیں گے اور خود یہ خیال کر بیٹھے تھے کہ ان کے مستحکم قلعہ مانند گھر خدا کے عذاب سے انہیں بچالیں گے لیکن خداوند عالم نے وہاں سے انہیں کھدیڑا جہاں سے وہ خیال بھی نہیں کر سکتے تھے اور ان کے دلوں میں خوف وہراس اس طرح پھیلادیا کہ وہ اپنے گھروں کو اپنے اور مومنین کے ہاتھوں ویران کرنے لگے تو پھر اے صاحبان بصیرت عبرت حاصل کرو اس واقعہ سے۔ (سورہ حشر، آیت نمبر ۲)

شہر مدینہ اور اسکے اطراف و نواح میں یہودیوں کے تین قبیلے بنی نضیر، بنی قریظہ اور بنی قینقاع آباد ہوا کرتے تھے اور جب پیغمبر اکرم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ان یہودی گروہوں سے معاہدہ کیا کہ انہیں اسلام اور نو تشکیل اسلامی حکومت کے خلاف اقدام کرنے کا حق نہ ہوگا لیکن بنی نضیر قبیلے نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پیغمبر اکرم ﷺ اور مسلمانوں کے خلاف کارروائیوں اور ریشہ دوانیوں کا سلسلہ شروع کردیا، منجملہ جنگ احد کے بعد چالیس گروہوں پر مشتمل ایک گروہ مکہ چلا گیا اور اسلام کو نقصان پہچانے کے لئے قریش سے معاہدہ کر بیٹھا، ابوسفیان قریش کے کے چالیس اور بنی نضیر کے چالیس لوگوں کے لے کر مسجد الحرام میں داخل ہوا اور خانہ کعبہ کے جوار میں انہوں نے مسلمانوں کے خلاف ایک معاہدے کا انعقاد کیا کہ جسکی خبر پیغمبر اکرمؐ تک بذریعہ وحی پہنچ گئی۔

دوسرا پہلو یہ کہ ایک دن پیغمبر اکرم ﷺ اپنے اصحاب کے کچھ افراد کے ساتھ مدینہ کے نواح میں واقع قبیلہ بنی نضیر تشریف لائے اور قلعہ کے باہر بنی نضیر کے ایک بزرگ لیڈر کعب بنی اشرف سے محو گفتگو تھے کہ اتنے میں ایک گروہ نے چال چلی اور پلان یہ بنایا کہ جس دیوار کے زیر سایہ یہ لوگ گفتگو کر رہے تھے ایک آدمی اسکی چھت پر جا کر ایک بڑا پتھر ان کے اوپر گرائے گا، اس بات کی خبر اور سازش سے خداوند عالم نے بذریعہ وحی پیغمبر اکرم ﷺ تک پہنچادی جس کے تحت آنحضرت وہاں سے اٹھے اور مدینہ چلے آئے۔ اور چونکہ یہودیوں کی معاہدے سے خلاف ورزی آنحضرت کے لئے عیاں ہو گئی مسلمان بھی بنی نضیر سے پیکار کا جواز حاصل کر بیٹھے سب سے پہلے پیغمبر اکرم ﷺ نے یہ حکم دیا کہ بنی نضیر کے بڑے رہنما کعب بن اشرف کو مارا جائے، کعب بن اشرف کے قتل کے بعد بنی نضیر قبیلے میں تنزلزل واقع ہوگیا پھر اس کے بعد پیغمبر اکرم ﷺ نے یہ

حکم دیا کہ اس واقعہ کے بعد مسلمان اس قبیلے سے پیکار کرنے کے لئے کوچ کریں، اور جب قبیلہ بنی نضیر کے باشندوں کو مسلمانوں کے حملے کی خبر ہوئی تو ڈر کے مارے وہ اپنے مضبوط قلعہ ہیں جا کر چھپ گئے اور قلعہ کا دروازہ اچھی طرح سے بند کر لیا، بنی نضیر کا محاصرہ کئی دنوں تک جاری رہا، اس درمیان خون خرابے سے بچنے کے لئے پیغمبر اکرم ﷺ نے یہ تجویز پیش کی کہ وہ مدینہ کی سرزمین کو چھوڑ کر نکل جائیں، انہوں نے بھی یہ بات مان لی، جہاں سے نکلتے وقت انہوں نے اپنا کچھ ساز و سامان لیا اور باقی وہیں چھوڑ کر چلے گئے البتہ وہاں سے نکلتے وقت جس قدر کہ ممکن ہو سکتا تھا انھوں نے اپنے مکانوں کو خراب کر کے نا قابل سکونت بنا دیا تھا۔

اس آیت کے اختتامی حصہ میں خداوند عالم نے اس تاریخی واقعہ کو عبرت کی نگاہ سے دیکھنے، سوچنے اور سمجھنے کی تاکید و نصیحت کی ہے یعنی مقصد یہ ہے کہ اگر اسی طرح کے کسی واقعہ کے سلسلہ میں جو کہ مستقبل میں پیش آئے تو نتیجہ بھی وہی پہلے والے مذکورہ واقعہ جیسا ہوگا اور عبرت کا حاصل کرنا انسان کے عقلانی پہلو کو مضبوط کرنے کا باعث ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آیت میں اولوا الابصار کی اصطلاح کا استعمال ہوا ہے۔

اس آیت میں کچھ عبرت کے پہلو بھی پائے جاتے ہیں جن کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

الف: اس واقعہ سے ایک طرح سے خدا پر یقین حاصل کرنے کے ساتھ قدرت خداوندی سے بڑھ کر کسی اور طاقت کے وجود نہ ہونے کی بابت سبق حاصل ہوتا ہے، یہودیوں کو اپنے لکڑی اور لوہے اور لوہے کے مضبوط قلعہ پر فخر تھا وہ یہ خیال کرتے تھے کہ اس کے ذریعہ وہ لوگ بچ جائیں گے جیسا کہ وہ خدا کی طاقت اور خدا کے ظاہری و باطنی تشکر سے غافل تھے۔

بنی نضیر کے یہودیوں کی مدینہ میں دولت و جائداد اور دیگر رفاہی امکانات زیادہ تھے جس کی وجہ سے انہیں یقین تھا کہ ان پر جلدی غلبہ نہیں پایا جا سکتا ہے لیکن چونکہ خداوند عالم نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ سب پر یہ بات عیاں ہو جانی چاہیے کہ اس کی مشیت و ارادے کے مقابلے میں کسی کو استقامت دکھانے کی تاب نہیں ہے، اسی لئے کسی طرح کی مزاحمت و جنگ ہوئے بغیر ہی اس سرزمین سے یہودیوں کو نکال باہر کیا۔

ب: خداوند عالم کے پاس ایسے لشکر موجود ہیں جو آنکھوں سے اوجھل ہوتے ہیں جو دین خدا کے مددگاروں کی مشکل حالات میں مدد کرتے ہیں اور ظاہری وسائل نیز تعداد اور مال و روایت ہی صرف نجات کا ذریعہ نہیں ہوا کرتے ہیں، ان ظاہری عوامل سے بڑھ کر خداوند عالم کی غیبی امداد بھی ضروری ہے۔

ج: حق کا مقابلہ کرنے اور اس کی مخالفت میں کھڑے ہونے نیز پیغمبر اکرم ﷺ کی مخالفت اور دین الٰہی نیز اسلامی معاشرے کے حاکم و رہنما کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور سازشیں رچنے کا نتیجہ ہلاکت اور عذاب الٰہی میں مبتلا ہونے کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا ہے۔

د: انسان اپنی دولت و ثروت سے بہت محبت کرتا ہے اس لئے وہ اس دنیا میں مال و دولت کی ذخیرہ اندوزی کے لئے کوششیں کرتا رہتا ہے، لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ بدبختی کے ایسے بھنور میں پھنس جاتا ہے کہ اس سے چھٹکارا پانے کے لئے اپنی ساری جمع پونجی کو اپنے ہی ہاتھوں گنوا بیٹھتا ہے، تاہم ایسے بہت سے لوگ ہیں جنہیں ان تلخ و ناگوار حادثات کو دیکھتے ہوئے سبق اور عبرت حاصل کرنی چاہئے، انھیں ان شدائد و مشکلات نیز نشیب و فراز کو سمجھنے کی ضرورت ہے تاہم یہ لوگ گذران تاریخ سے عبرت حاصل نہیں کرتے ہیں۔

۳/۳۔ مناسب آئیڈیل کا تعارف

انسان مختلف پہلوؤں پر مشتمل مخلوق ہے، ایک طرف کمال پسند اور بلند و بالا مقاصد اور تمناؤں کے حصول کا خواہاں ہوتا ہے تو دوسری طرف اپنے ارد گرد کے ماحول اور آئیڈیل انسانوں سے متاثر ہو کر انہیں اپنے لئے مثال اور آئیڈیل قرار دینے کا خواہشمند ہوتا ہے اور جب وہ اپنے مثالی انسان سے روبرو ہوتا ہے اس کی جانب راغب ہونے کے ساتھ کچھ سیکھنے اور ان کی تقلید و پیروی کی کوشش کرتا ہے، شاہدہ و تقلید کے ذریعہ سیکھنے کا طریقہ کار نیز واقعہ و عینی آئیڈیل و مثال کے ذریعہ سیکھنے کی روش اثر انداز ہونے والی جملہ تربیتی روش ہے کیونکہ تربیت حاصل کرنے والا انسان ایک عملی و عینی مثال کا سامنا کرتا ہے تو دوسرے کے عمل سے خود کو مطابقت دینے اور عمل کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ عمل یعنی آئیڈیل کو اپنانا تربیتی روش کا ایک حصہ شمار ہوتا ہے کہ جس کو مثالی روش کا نام دیا جاسکتا ہے۔ (سیف، روش شناسی پرورشی، ص ۲۱۲)

قرآن کریم کی تعلیمات جو کہ فطرت انسانی کی بنیاد پر انسان کی فطری صلاحیتوں کے نکھار کے لئے کے لئے نازل ہوئی ہیں، انہوں نے مثال پسند فطری تقاضوں کو مد نظر رکھا ہے اور قرآن مجید کی آیتوں میں تخیلات سے غض نظر کرتے ہوئے صرف عینی و حقیقی مثالوں کا ذکر کیا گیا ہے، اس کے ساتھ ہی قرآن مجید اس بات پر بھی تاکید کرتا ہے کہ ہر آئیڈیل پیروی کے قابل بھی نہیں ہوا کرتا:

"وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا(سورہ الکھف" ۲۸)

ایسے لوگوں کی صحبت میں رہو جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے رہتے ہیں اور صرف اس کی خشنودی کے طالب و خواہاں ہوتے ہیں اور دنیا کی زینت کے لئے ہر گز ان سے اپنی آنکھیں نہ پھیرو اور ان لوگوں کی اطاعت سے گریز کرو کہ جن کے دلوں کو ہم یاد خدا سے محروم کر دیا ہے، چونکہ وہ اپنی نفسانی خواہشات کے پیروکار ہوتے ہیں اور ان کے امور انتہا پسندی پر مبنی ہوتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب (خدا) والدین کی عزت و تکریم کے بارے میں بات کرتا ہے تو جہاں ان کے ساتھ شفقت و مہربانی سے پیش آنے کی نصیحت کرتا ہے وہیں ان کے غلط اور بے جا توقعات کی اطاعت سے منع بھی کرتا ہے (لقمان، ۱۵، عنکبوت، ۱۸)

قرآن مجید نے مناسب اور قابل ملاحظہ آئیڈیل اور مثال پیش کرنے کے دوران اسوہ حسنہ، اقتدا اور اتباع جیسی اصطلاحوں کا استعمال کرتے ہوئے نمونہ عمل اور خاص خصوصیات کے حامل انسانوں کے ساتھ ان کے کچھ صفات کا ذکر کیا ہے۔

قرآن مجید پیغمبران الٰہی اور رسولوں کے ایک گروہ نیز ایسے کچھ لوگوں کے بارے میں جن پر اس کی ہدایات شامل حال رہی ہیں ان کے بارے میں فرماتا ہے:

"أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ (انعام، ۹۰) اور ان لوگوں کو پیروی کے لائق سمجھتا ہے جو کہ ہدایت یافتہ ہوں، أَفَمَن يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَن يُتَّبَعَ أَمَّن لَا يَهِدِّي إِلَّا أَن يُهْدَىٰ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ (یونس، ۳۵)

خداوند عالم ایسے لوگوں کو کامیاب سمجھتا ہے جو رسول خداﷺ اور اس کی نورانی کتاب کی جو کہ خدا کی جانب سے نازل ہوئی ہے پیروی کرتے ہیں:

" ٱلَّذِينَ يَتَّبِعُونَ ٱلرَّسُولَ ٱلنَّبِيَّ ٱلْأُمِّيَّ ٱلَّذِي يَجِدُونَهُۥ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي ٱلتَّوْرَىٰةِ وَٱلْإِنجِيلِ يَأْمُرُهُم بِٱلْمَعْرُوفِ وَيَنْهَىٰهُمْ عَنِ ٱلْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ ٱلطَّيِّبَٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ ٱلْخَبَٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَٱلْأَغْلَٰلَ ٱلَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۚ فَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ بِهِۦ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَٱتَّبَعُوا۟ ٱلنُّورَ ٱلَّذِيٓ أُنزِلَ مَعَهُۥٓ ۙ أُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْمُفْلِحُونَ " (الاعراف، ۱۵۷)

قرآن مجید اس تربیتی روش کے تحت تین مثالی روشوں، "مثالی حیثیت" "مثالی پیشکش" اور مثالی ہونے سے گریز" کو پیش کرتا ہے، اسوہ حسنہ کی مثال پیش کرنے کے علاوہ ان کی خصوصیات کو شمار کرتا ہے تاکہ مثالی ہونے کی دلیل بیان کرسکے اور منفی مثالوں اور آئیڈیل سے دوری اختیار کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔

قرآن مجید میں تین مرتبہ اسوہ مثال کی اصطلاح کا استعمال کیا گیا ہے کہ جس میں سے ایک مرتبہ پیغمبر اکرمﷺ کے بارے میں دو مرتبہ جناب ابراہیم اور ان کے پیروکاروں کے بارے میں ذکر ہوا ہے۔

"لَّقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ ٱللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَن كَانَ يَرْجُوا۟ ٱللَّهَ وَٱلْيَوْمَ ٱلْءَاخِرَ وَذَكَرَ ٱللَّهَ كَثِيرًا"، (احزاب/۲۱)

یقینی طور پر تمہاری زندگی میں رسول خداﷺ کی ذات گرامی ایک اچھی مثال اور نمونہ عمل تھی البتہ ان لوگوں کے لئے جو کہ خدا کی رحمت اور روز حشر پر رکھتے ہوئے اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتے ہو۔

" قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِىٓ إِبْرَٰهِيمَ وَٱلَّذِينَ مَعَهُۥٓ إِذْ قَالُوا۟ لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَءَٰٓؤُا۟ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ ٱلْعَدَٰوَةُ وَٱلْبَغْضَآءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَحْدَهُۥٓ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَٰهِيمَ لِأَبِيهِ لَأَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَمَآ أَمْلِكُ لَكَ مِنَ ٱللَّهِ مِن شَىْءٍ ۖ رَّبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَإِلَيْكَ أَنَبْنَا وَإِلَيْكَ ٱلْمَصِيرُ " (الممتحنہ، ۴)

تمہارے لئے ابراہیم اور جو لوگ کہ ان کے ساتھ تھے، ان کی آپ بیتی میں اچھی سرگذشت پائی جاتی تھی جب کہ انہوں نے اپنی مشرک قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور اسے جو کہ تم لوگ اللہ کے ماسوا کسی چیز کی پرستش کرتے ہو، بیزار ہیں، ہم تمہاری بہ نسبت کافر ہیں اور ہمارے تمہارے درمیان دائمی عداوت و دشمنی واضح عیاں ہو سکتی ہے، اس وقت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا جب تک کہ تم لوگ خدائے واحد و یکتا پر ایمان نہ لاؤ۔ ابراہیم کی اس بات کے سوا کہ انہوں نے اپنے باپ (یعنی چچا آذر) سے وعدہ کیا کہ میں آپ کے لئے معافی کا طالب ہوں گا، بہر حال میں خداوند عالم کی طرف سے کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا ہوں۔ اے میرے پروردگار! ہم نے تجھ پر بھروسہ کیا ہے اور تیرے ہی طرف رجوع کیا ہے اور سارے انجام کی بازگشت بھی تیری ہی جانب ہے۔ ان آیات میں پیغمبر اکرم ﷺ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نیز ان کے اصحاب کو ذکر شدہ خصوصیات کے تحت مثالی قرار دیا گیا ہے، (لقد کان لکم) کی تعبیر ماضی استمراری ہے کہ جس کا اطلاق ان کی جانب سے بطور دائمی و مسلسل مثالی حیثیت کے لئے ہوتا ہے، (طباطبائی، المیزان، جلد ا، ص ۲۸۸)

قرآن مجید نے پورے انسانی ادوار تاریخ میں انفرادی خصوصیات کی تصویر کشی کرنے کے ساتھ مثالی حیثیت پر زیادہ توجہ دی ہے، تاکہ انسان کمال اور مطلوبہ مقصد کے حصول کے لئے اس آئیڈیل سے فائدہ اٹھاسکے، اسی پوری ادوار تاریخ میں حضرت یوسف کی جوانی و خوبصورتی اور تمام بدعنوانی و فساد کے تمام امکانات کے باوجود معصیت الٰہی سے گریز نیز تنہائی کے عالم میں اصحاب کہف اور ان کی وحدانیت پرستی اور حکم خداوندی کے آگے حضرت اسماعیلؑ کا سر خم کرنا اور جناب ابراہیمؑ کا کڑی آزمائش سے کامیاب و سرافراز ہونا نیز حضرت نوحؑ اور لوگوں کی ہدایت کے لئے ان کی کوششوں، اسی طرح جناب داوودؑ اور ان کی شجاعت، حضرت ایوبؑ اور ان کی صبر، زوجہ فرعون کے ایمان راسخ اور جناب مریمؑ کی عفت و پاکیزگی وغیرہ کو حیات بشری کی تاریخ میں اسوہ حسنہ اور آئیڈیل بتا کر پیش کیا گیا ہے۔

اہل بیت علیہم السلام کے بیانات میں بھی مثالی اور اچھے ائیڈیل کی طرف توجہ دلانے کے ساتھ اس کی اہمیت کو بیان کیا گیا ہے:

" انْظُرُوا أَهْلَ بَيْتِ نَبِيِّكُمْ فَالْزَمُوا سَمْتَهُمْ وَ اتَّبِعُوا أَثَرَهُمْ فَلَنْ يُخْرِجُوكُمْ مِنْ هُدًى وَ لَنْ يُعِيدُوكُمْ فِي رَدًى فَإِنْ لَبَدُوا فَالْبُدُوا وَ إِنْ نَهَضُوا فَانْهَضُوا وَ لَا تَسْبِقُوهُمْ فَتَضِلُّوا وَ لَا تَتَأَخَّرُوا عَنْهُمْ فَتَهْلِكُوا " (نہج البلاغہ، خطبہ نمبر ۹۷)

اپنے پیغمبر کے خاندان کو دیکھو اور جدھر وہ جائیں تم بھی ادھر جاؤ اور جس راستہ پر وہ چلیں ان کی پیروی میں تم بھی اس سمت بڑھو کیونکہ وہ تمہیں صرف کامیابی کی راہ دکھانے والے ہیں اور تمہیں ہر گز ہلاکت کی طرف نہیں لے جائیں گے، اگر وہ کھڑے ہو جائیں تو تم بھی کھڑے ہو جاؤ اور اگر اٹھ جائیں تو تم بھی اٹھ جاؤ، ان سے آگے نہ چلو کہ گمراہ ہو جاؤ گے اور نہ ہی ان سے پیچھے رہو کہ برباد ہو جاؤ گے۔

۴۔ قرآن مجید میں گذران تاریخ کی شناخت

شناخت کی اصطلاح معرفت کے مترادف و رائج جملہ ہے کہ جس کو عربی زبان مین استعمال کیا جاتا ہے اور اس کا مطلب مطلق علم و آگاہی ہے۔

اس اصطلاح کو کبھی جزئی ادراک سے مخصوص کیا جاتا ہے اور کبھی پہان کے معنی میں بھی استعمال کیا جاتا ہے جیساکہ کبھی یقینی و حقیقی صورت میں علم سے مطابقت کے لئے استعمال ہوتا ہے (مصباح یزدی، آموزش فلسفہ ج۱، ص ۱۵۱) گذران تاریخ کی شناخت علی الخصوص قرآن کے اندر اس کے استعمال سے مراد، علم و آگاہی کے علاوہ کائنات میں موجود حقائق کی شناخت بھی ہے جسے قرآن مجید نے اقوام عالم کی گذشتہ تاریخ کی حیثیت سے مع ذکر حقائق و واقعات پیش کیا ہے، یہاں پر اس سلسلہ میں ہم دو مثالوں کا ذکر کر رہے ہیں:

۱/۴۔ قوانین اور سنن الٰہی کی شناخت

قرآن مجید نے کبھی بھی ماضی کی تاریخ کو صرف ایک واقعہ یا روداد کی نظر سے نقل نہیں کیا ہے بلکہ ہمیشہ ہی کسی خاص مسئلہ یا خاص مقصد کے تحت اس کا ذکر کیا ہے مثلاً جس میں ہدایت کا پہلو پایا جاتا ہو بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا جاتا ہے کہ قرآن مجید میں تاریخ گذشتہ کے واقعات کو الٰہی تاریخی قوانین اور سنتوں کی شناخت واز سر نو یا دہانی کے لئے بیان کیا گیا ہے، مثال کے طور پر قرآن مجید نے سورہ اسراء میں خداوند عالم کی ایک ناقابل تبدیل

تاریخی سنت کی طرف اشارہ کیا ہے کہ جس قوم نے بھی نبی اور الٰہی رہنما کے خلاف قدم اٹھایا یا اس کی اطاعت سے انکار کیا اور اس نبی کو خود سے علیحدہ یا مسترد کیا وہ ظالم شمار کی گئی اور عذاب خداوندی کا شکار ہوئی اور یہ امر ایک ناقابل تبدیل الٰہی تاریخی قانون ہے: "سُنَّةَ مَن قَدۡ أَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِن رُّسُلِنَا ۖ وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحۡوِيلًا" (الاسراء، ۷۷)

ہماری یہ سنت ان رسولوں کے لئے ہے کہ جنہیں آپ سے پہلے بھیجا تھا اور آپ ہماری سنت میں ہرگز بھی کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے۔

سورہ ابراہیم میں بھی اس لفظ کا استعمال کئے بغیر اسی سنت کو بیان کیا گیا ہے:

"وَقَالَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ لِرُسُلِهِمۡ لَنُخۡرِجَنَّكُم مِّنۡ أَرۡضِنَآ أَوۡ لَتَعُودُنَّ فِي مِلَّتِنَا ۖ فَأَوۡحَىٰٓ إِلَيۡهِمۡ رَبُّهُمۡ لَنُهۡلِكَنَّ ٱلظَّٰلِمِينَ وَلَنُسۡكِنَنَّكُمُ ٱلۡأَرۡضَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ ۚ ذَٰلِكَ لِمَنۡ خَافَ مَقَامِي وَخَافَ وَعِيدِ" (سورہ ابراہیم، ۱۳۔۱۴)

لیکن کافروں نے اپنے رسول سے کہا: ہم یقیناً آپ کو اپنی سرزمین سے نکال دیں گے یہ کہ ہمارے دین کی طرف پلٹ آئیں، دراین اثناء ان کے پروردگار نے انہیں وحی کی کہ ہم ظالموں کو ہلاک کر ڈالیں گے اور ان کے بعد آپ کو زمین پر سکونت عطا کریں گے (یہ کامیابی) ان کے لئے ہے جو ہمارے انصاف سے خوف زدہ ہوں اور میرے عذاب کا خوف دل میں رکھے ہیں۔

سورہ عنکبوت ان جملہ سورتوں میں سے ایک ہے کہ جس میں کچھ آیات کے ذریعہ سات انبیاء اور ان کی قوموں کے بارے میں اللہ کی جاری و ساری سنتوں کے بارے میں بیان ہوا ہے اور ان میں پوری ادوار تاریخ میں خدا کی سنت کی بابت شناخت وآگاہی کے بارے میں ذکر ہوا ہے، سورہ کے آغاز میں خداوند عالم ماضی میں انبیاء واقوام گذشتہ نیز ان کی زندگی میں حاکم قوانین وسنن اور آزمائشات نیز فتنوں وغیرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے نافذ قوانین سے عدم گریز کی باتیں بیان کرتا ہے، پھر انبیائے ماسبق منجملہ نوح، ابراہیم، لوط، شعیب، ہود، صالح و موسیٰ علیہم السلام سمیت ان کے اقوام اور ان کے لئے انجام پانے والی الٰہی امتحانات کی سرگذشت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ ان امتحانات میں کچھ کو کامیابی نصیب ہوئی اور نجات ملی تو کچھ کو شکست و

ہلاکت کا سامنا کرنا پڑا اور ان کی عدم کامیابی کی وجہ ظلم و زیادتی کے علاوہ اپنے رسولوں اور الٰہی رہنماؤں کی عدم اطاعت بتایا ہے، یہ آیات ایسے شناخت کی نشاندہی کراتی ہیں کہ جن کی بنیاد پر انسان اگر اپنے الٰہی رہنماؤں کے خلاف ظلم اور مقابلے میں کھڑے ہونے کا اقدام کرے گا تو چاہے وہ کوئی بھی معاشرہ یا فرد معاشرہ ہو اسے ہلاکت و عدم کامیابی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

"وَلَقَدۡ أَرۡسَلۡنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوۡمِهِۦ فَلَبِثَ فِيهِمۡ أَلۡفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمۡسِينَ عَامٗا فَأَخَذَهُمُ ٱلطُّوفَانُ وَهُمۡ ظَٰلِمُونَ" (سورہ عنکبوت، ۱۴)

اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا اور انہوں نے ان کے درمیان ایک ہزار برس مگر پچاس برس زندگی گذاری، تاہم آخر کار انہیں طوفان و سیلاب نے اپنی لپیٹ میں لے لیا جب کہ وہ لوگ ظالم تھے۔

اور قرآن مجید حضرت شعیبؑ کی زبانی اس تاریخی سنت کی یاد دہانی کراتا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو دوسری اقوام کی سرگذشت سنائی کہ اگر انہوں نے اپنے اعمال کا ان کی طرح اپنے رسول کے ساتھ اعادہ کیا تو انجام کار اور نتیجہ وہی ہوگا جو ماضی کی قوموں کا ہوا ہے:

"وَيَٰقَوۡمِ لَا يَجۡرِمَنَّكُمۡ شِقَاقِيٓ أَن يُصِيبَكُم مِّثۡلُ مَآ أَصَابَ قَوۡمَ نُوحٍ أَوۡ قَوۡمَ هُودٍ أَوۡ قَوۡمَ صَٰلِحٖۚ وَمَا قَوۡمُ لُوطٖ مِّنكُم بِبَعِيدٖ" (سورہ ہود، ۸۵)

اور اے میری قوم کے لوگو! میری دشمنی اور مخالفت اس بات کا موجب نہ بنے کہ تم بھی اسی سرنوشت سے دوچار ہو جاؤ جس سے کہ قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح دوچار ہوئی: اور قوم لوط تم سے زیادہ دور نہیں ہے۔

۴/۲۔ معاشروں کی ترقی و زوال کے وجوہات کی شناخت

قرآن مجید میں تاریخ کے استعمال پر مبنی دیگر مصادیق کی شناخت کے سلسلہ میں کچھ ایسی آیات ہیں جو ادوار تاریخ میں معاشروں کی عظمت و ترقی اور ان کے زوال و انحطاط کے وجوہات کو بیان کرتی ہیں تاکہ معاشروں کو ترقی و کمال کی راہ کے حصول میں معاون و مددگار ہو سکیں، مثال کے طور پر سورہ بقرہ، ۲۴۶ تا ۲۵۱ کی آیتوں میں خداوند عالم بنی اسرائیل کی زندگی کے تاریخی صفحات اور ان کے انحطاط و عظمت کے

وجوہات کو اجاگر کرتا ہے ان آیات میں ایک قوم کی ترقی و سعادت یا انحطاط کے وجوہات کا اس طرح ذکر ہوا ہے:

الف: معاشرے کے اندر ایک عادل، انصاف پسند اور طاقتور رہنما کی موجودگی کسی قوم کی عظمت کا موجب ہوتی ہے اور گناہ و معصیت اور تکبر و نخوت پرستی نیز کامیابی پر فخر جتانا کسی قوم کی ناکامی اور زوال و انحطاط کا سبب ہوتے ہیں۔

ب: کوئی بھی قوم بلند ہمتی و اتحاد اور الٰہی رہنما کے زیر سایہ دور اندیشی کے اسلوب اپنائے بغیر عظمت کے مراحل کو طے نہیں کر سکتی ہے۔

ج: جب بھی کسی معاشرے میں افراد معاشرہ کی کارکردگی اور صلاحیت و توانائی کو نظر انداز کرتے ہوئے حسب و نسب اور دولت کی بنیاد پر برتری دی گئی تو قوموں کے زوال کی نشانی سامنے آئی۔

د: جو قوم اپنی توانائیوں کے ساتھ الٰہی امداد پر ایمان رکھتی ہو اور صرف ظاہری مادی امور سے لو نہ لگاتی ہو وہ سربلند و کامیاب رہنے والی قوم ہوگی۔

۵: سماجی۔سیاسی عمل دخل

باوجود اس کے کہ معاشرہ کی بنیاد ایک ایک فرد سے تشکیل پائی ہے لیکن روح و نفس کی حقیقی ترکیب منجملہ افکار و نظریات، جذبات و احساسات ارادے، خواہشات اور ثقافتیں نہ کہ اعضائے بدن کی ترکیب، یہ سب چیزیں اجتماعی روح میں تبدیل ہو کر حرکت، شعور، ضمیر، ارادہ، خواہشات، اطاعت، گناہ اور ثواب و عذاب کا سبب بنتے ہیں اور یہ سب ایسی طاقت ہیں جو کسی فرد کے ارادے اور خواہشات کو دوسرے پر غلبہ دلا سکتی ہیں۔ (رک، مرضی مطہری، جامعہ و تاریخ، ص ۲۵)

معاشرہ دریا کی اس موج کی طرح ہے جو قطرہ قطرہ کر کے تشکیل پاتی ہے لیکن آخر امر خود کا ایک مستقل وجود بنانے کے بعد اجتماعی طور پر اس مجموعہ کا مقدر بناتی ہے اور یا استاد شہید مطہری کے بقول معاشرہ اس گاڑی کی مانند ہے کہ جس میں کچھ لوگ بیٹھے حرکت کر رہے ہوں اور اس کے ساتھ جو بھی واقعہ یا حادثہ پیش آتا ہے اس میں بیٹھے سبھی مسافر متاثر ہوتے ہیں اور سب کا مقدر ایک ساتھ مرقوم ہوتا ہے، قرآن مجید نے جس طرح

فرد معاشرہ کے لئے اصالت یعنی مستقل شخصیت کے ساتھ حقیقی و عینی شخصیت کو مانا ہے اور ان کی ہدایت و سعادت کے لئے اپنے معارف کو پیش کیا ہے اسی طرح معاشرے کے لئے بھی حقیقی و عینی وجود کا قائل ہے اور اس کے لئے بھی مخصوص و مستقل پروگرام اور منصوبہ پیش کیا ہے۔

قرآن کی نظر میں اللہ کی طرف سے بھیجے جانے والے الٰہی رسول (کہ جن کی ذمہ داری رسالت کو اقوام اور معاشرے میں پھیلانا تھا) افراد اور انسانی لحاظ سے ان کی منصبی ذمہ داریاں ہوتی تھیں اور دوسری جانب افرادی پہلو سے ہٹ کر ان کی معاشرہ کے تئیں ذمہ داری تھی کہ اسے کمال کی جانب مہمیز کریں، بنابراین، قرآن مجید نے معاشرے کی کچھ خصوصیات بیان کی ہیں کہ جن سے قرآن کے معاشرے کے سلسلہ میں حقیقی و استقلالی نظریئے کی نشاندہی ہوتی ہے، ہم ان میں کچھ خصوصیات کے آگے ذکر کریں گے:

۵/۱۔ ہر امت کے لئے ایک رسول

قرآن مجید نے کبھی تو فرد فرد انسانوں کی ضرورت کے مد نظر پیمبر کو مبعوث کیا ہو اقرار دیا اور ارشاد فرمایا:

"وَمَآ أَرۡسَلۡنَٰكَ إِلَّا كَآفَّةٗ لِّلنَّاسِ بَشِيرٗا وَنَذِيرٗا وَلَٰكِنَّ أَكۡثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعۡلَمُونَ" (سبا، ۲۸) اور ہم نے تمہیں سوائے اس کے کہ سارے لوگوں کے لئے بھیجا ہے، اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ تم انہیں الٰہی انعامات اور جزا کی خوشخبری دو (ساتھ میں اس کے عذاب سے) ڈراؤ کہ تاہم زیادہ تر لوگ جانتے نہیں ہیں۔

اور بعض اوقات رسولوں کو امت کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے تاکہ ان کے درمیان منصفانہ قضاوت کرے اور معاشرے کی تمام ضروری اور پہلوؤں میں انصاف قائم کرے۔

" وَلِكُلِّ أُمَّةٖ رَّسُولٞۖ فَإِذَا جَآءَ رَسُولُهُمۡ قُضِيَ بَيۡنَهُم بِٱلۡقِسۡطِ وَهُمۡ لَا يُظۡلَمُونَ "(یونس، ۴۷)

ہر امت کے لئے ایک رسول مخصوص ہے جب اس قوم کا رسول ان کے درمیان آئے گا تو ان کے درمیان انصاف پر مبنی قضاوت ہوگی اور ان پر کسی طرح کا کوئی ظلم نہ ہوگا۔

" كَذَٰلِكَ أَرْسَلْنَٰكَ فِىٓ أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهَآ أُمَمٌ لِّتَتْلُوَا۟ عَلَيْهِمُ ٱلَّذِىٓ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِٱلرَّحْمَٰنِ ۚ قُلْ هُوَ رَبِّى لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ" (سورہ رعد، ۳۰)

جس طرح کہ ہم نے انبیائے ماسبق کو مبعوث کیا تمہیں بھی ہم نے ایسی قوم کے درمیان بھیجا کہ ان سے پہلے بھی دوسری قومیں آتی رہی اور جاتی رہی ہیں، ہم نے جس طرح تم پر وحی کی ہے وہ گوشوں کو پڑھ کر سنادو جب کہ وہ لوگ رحمان سے (جس کی رحمت ہمہ جانبہ ہے) کفر اختیار کرتے ہیں، ان سے کہہ دو: وہ میرا رب ہے ! اس کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے ! میں نے اس پر بھروسہ کیا ہے اور اسی کی طرف پلٹ کر بھی جانا ہے۔

۵/۲۔ نامہ اعمال اور مشترکہ سرنوشت

قرآن کریم جس طرح انسان کے انفرادی نامہ اعمال اور نیک و بد سرنوشت اور جزاوسزا کو مجسم کرتا ہے:

" وَكُلَّ إِنسَٰنٍ أَلْزَمْنَٰهُ طَٰٓئِرَهُۥ فِى عُنُقِهِۦ ۖ وَنُخْرِجُ لَهُۥ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ كِتَٰبًا يَلْقَىٰهُ مَنشُورًا " (سورہ اسرا، ۱۳)

اور ہر فرد کے اعمال کو اس کی گردن میں لٹکا دیا ہے اور قیامت کے دن اس کے لئے ایک کتاب پیش کریں گے جو وہ اپنے سامنے کھلی ہوئی پائے گا (جو کہ اس کا نامہ اعمال ہوگا)

اسی طرح قوموں کے لئے بھی اجتماعی اعمال منجملہ انکی سرنوشت، سعادت و بد بختی اور جزاء وسزا کا قائل ہے:

"وَتَرَىٰ كُلَّ أُمَّةٍ جَاثِيَةً ۚ كُلُّ أُمَّةٍ تُدْعَىٰٓ إِلَىٰ كِتَٰبِهَا ٱلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ" (جاثیہ، ۲۸)

اس روز ہر قوم کو دیکھوگے کہ شدت خوف سے گھٹنوں کے بل بیٹھی ہوگی، ہر قوم کو اس کی کتاب کے ساتھ بلایا جائے گااور (ان سے کہا جائے گا) آج ان اعمال کی جزا ملے گی کہ جسے تم انجام دیتے رہے ہو۔

۵/۳۔ امت اور عمل مشترک

اس بات کے پیش نظر کہ معاشرہ ایک اجتماعی روح اور متحدہ شکل کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے معاشرے افراد معارہ سے کہیں زیادہ اثرات کا حامل ہوتا ہے چونکہ اس کو متحدہ اور متشکل روح سے منسوب کیا جاتا ہے اور

وہ فرد پر غالب ہوتا ہے، اسی لئے اس میں اثر انداز ہونے اور غلبہ حاصل کرنے کی صلاحیت پائی جاتی ہے، یہ اوصاف چونکہ معاشرے کے مستقل اور حقیقی وجود پر مبنی میں اسی لئے قرآن مجید بعض اعمال منجملہ ہر فرد کے اعمال کے جلووں کو اسی کی بہ نسبت اور رسولوں کے مقابلے میں ہر طرح کی ہٹ دھرمی و استقامت نیز ہدایت وغیرہ کو امت سے منسوب کرتا ہے۔

" وَلَا تَسُبُّواْ ٱلَّذِينَ يَدۡعُونَ مِن دُونِ ٱللَّهِ فَيَسُبُّواْ ٱللَّهَ عَدۡوَۢا بِغَيۡرِ عِلۡمٖۗ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمۡ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِم مَّرۡجِعُهُمۡ فَيُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُواْ يَعۡمَلُونَ " (انعام، ۱۰۸)

غیر خدا کے ماننے والے معبودوں کو گالی نہ دو کیونکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ بھی ظلم و جہالت میں تمہارے خدا کو گالی دے بیٹھیں، اس طرح سے ہم نے ہر امت کے اعمال کو ان کے لئے زینت بخشی ہے۔

پھر ان سب کی واپسی ان کے پروردگار کی جانب ہی ہے اور وہ انہیں ان کے ہر اس عمل سے جو وہ انجام دیتے تھے باخبر کرے گا(اور انہیں ان کے اعمال کے مطابق جزا و سزا دے گا)

"وَمِن قَوۡمِ مُوسَىٰٓ أُمَّةٞ يَهۡدُونَ بِٱلۡحَقِّ وَبِهِۦ يَعۡدِلُونَ" (اعراف، ۱۵۹)

اور قوم موسی سے ایک ایسا گروہ بھی ہے جو حق کی جانب ہدایت کرتا ہے اور حق و انصاف پر مبنی حکم کرتا ہے۔

" وَمِمَّنۡ خَلَقۡنَآ أُمَّةٞ يَهۡدُونَ بِٱلۡحَقِّ وَبِهِۦ يَعۡدِلُونَ " (اعراف، ۱۸۱)

اور جنہیں ہم نے پیدا کیا، ان میں سے ایک گروہ حق کے ساتھ ہدایت کرتا ہے اور حق کے ساتھ انصاف کا نفاذ کرتا ہے۔

"كَذَّبَتۡ قَبۡلَهُمۡ قَوۡمُ نُوحٖ وَٱلۡأَحۡزَابُ مِنۢ بَعۡدِهِمۡۖ وَهَمَّتۡ كُلُّ أُمَّةِۢ بِرَسُولِهِمۡ لِيَأۡخُذُوهُۖ وَجَٰدَلُواْ بِٱلۡبَٰطِلِ لِيُدۡحِضُواْ بِهِ ٱلۡحَقَّ فَأَخَذۡتُهُمۡۖ فَكَيۡفَ كَانَ عِقَابِ" (غافر، ۵)

ان سے قبل قوم نوح اور دیگر قومیں جو انکے بعد تھیں، انہوں نے (اپنے رسولوں کو) جھٹلایا اور ہر اس قوم کو جو کہ سازش کرنے اور اپنے رسول کو اذیت وآزار دینے کے درپے تھی اور حق کو مٹانے کے بعد باطل کا بول بالا کرنے میں کوشاں تھی، میں نے اس کا مواخذہ کرنے کے بعد اسے سخت سزا دی، دیکھو کہ سزا دینے کا میرا طریقہ کار کیسا ہے؟

۵/۴۔ امت اور اجل

قرآن مجید کچھ آیات میں موت اور لوگوں کی زندگی کے خاتمے کی جانب رہنمائی کرتے ہوئے دنیا میں ان کے قدم رکھنے سے لے کر زندگی کے مراحل کو سر کرنے اور اس کے خاتمے تک اس انداز میں اشارہ کرتا ہے:

''هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم مِّن تُرَابٍ ثُمَّ مِن نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِن عَلَقَةٍ ثُمَّ يُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ ثُمَّ لِتَكُونُوا شُيُوخًا ۚ وَمِنكُم مَّن يُتَوَفَّىٰ مِن قَبْلُ ۖ وَلِتَبْلُغُوا أَجَلًا مُّسَمًّى وَلَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ'' (غافر، ۶۷)

یہ وہ پروردگار ہے جس نے کہ تمہیں مٹی سے پیدا کیا، پھر نطفہ کی شکل دی، پھر علقہ (خون کا لوتھڑا) بنایا، اس کے بعد تمہیں (شکم مادر میں) بچے کی شکل میں باہر نکالا اور اس کے بعد مرحلہ بہ مرحلہ قوت کے کمال تک پہنچایا اور پھر اس کے بعد بوڑھے ہو جاؤ گے اور (اس درمیان) تم میں سے ایک گروہ اس مرحلے لگ پہنچنے سے پہلے ہی چل بسے گا اور اپنے آخری انجام تک پہنچ جائے گا (یہ سب اس لئے ہے کہ) شاید تم غور وفکر کر سکو۔

اسی طرح قرآن مجید قوموں کے لئے اجل (مدت) اور انجام کار کا معتقد ہے یعنی جس طرح قوموں کے لئے آغاز ہوتا ہے اسی طرح اس کی سرنوشت اور مقدر میں اجل بھی مقرر ہوتی ہے اور اجل کا وجود بھی ایک زندہ حقیقت ہے کہ جس کا وجود اظہر من الشمس ہے کہ جس میں لوگوں کی جدائی وجود میں آتی ہے۔

''وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ ۖ فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ '' (اعراف، ۳۴)

ہر قوم و جماعت کے لئے وقت اور انجام (معین) ہے اور جب انکا انجام قریب ہوگا اس میں پل بھر کی بھی نہ تاخیر ہوگی اور نہ ہی وقت آگے بڑھے گا۔

۶۔ سیاست قرآن کی نظر میں

اب جب کہ معاشرے کا حقیقی و مستقل وجود ثابت ہوگیا تو اب اس بات پر توجہ دینے کی ضرورت ہے کہ معاشرے کو ترقی و کمال اور سعادت تک رسائی حاصل کرنے کے لئے ایک منصوبہ بندی اور مقصدیت کے تعین کی ضرورت ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ کی نورانی زندگی کی تاریخ کا جائزہ سنجیدہ اور وحی کی بنیاد پر مبنی پروگرام اور منصوبہ بندی کی نشاندہی کراہے کہ جس کے ذریعہ انسان اور معاشرے کی دنیاوآخرت کی سعادت کا حصول ممکن ہوسکتا ہے۔

پیغمبر اکرم ﷺ نے وحی حاصل کرنے اور اس کو لوگوں تک پہنچانے کے بعد انفرادی ہدایت کا سامان فراہم کردیا اور سیاسی نظام اور دینی حکومت کی بنیاد ڈال کر سیاسی دینی نظام اسلام کے اجتماعی احکام کو جاری و نافذ کردیا۔

دین میں سیاست و حکومت کے اصولوں سے غفلت اور اس حقیقت کو نظر انداز کرنا، دین کے عاملہ و نافذہ بازو کو بھلا دینے کے مترادف ہے، کیونکہ معاشرے کی سعادت کی فراہمی جبھی ممکن ہے جب دنیوی امور کو صحیح طریقہ سے نافذ کرلیا جائے۔

لہٰذا حکومت کی تشکیل، آنحضرتؐ کے پیغامات کے نفاذاور تعمیم دینے کے لئے ضروری ہے اور شاید یہی نظریہ موجب ہوا ہے کہ بعض مفسرین سیاست کو حاکم و سلطان کا فریضہ سمجھنے لگے۔ (فخر رازی، مفاتیح الغیب، ج ۲، ص ۴۱۸)

قرآن مجید اپنے سیاسی و سماجی نظریئے میں کبھی بھی سیاسی و سماجی مسائل سے چشم پوشی کرنا پسند نہیں کرتا اور نہ ہی اسے ہلکے میں لیتا ہے اسی لئے جس طرح اس نے فردی عبادات و اخلاقیات پر توجہ دی ہے بالکل ویسے معاشرتی مسائل و موضوعات منجملہ تدبیر و سیاست کا بھی خیال واہتمام رکھا ہے۔

قرآن مجید، دین کو معاشرے کے اندرونی و بیرونی تعلقات کی بحالی و تنظیم اور امور کی تنظیم و تنسیق کے لئے ضروری امر قرار دیتا ہے، کیونکہ دین ایک صحیح وسالم معاشرہ وجود میں لاتا ہے۔

قرآن مجید کی نظر میں انبیاء کی بعثت اور وحی کے نزول کا اصلی مقصد، لوگوں کے درمیان عدل وانصاف کو قائم کرنا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دین کی بنیادوں پر ایک حکومت کی تشکیل کہ جس کے تحت معاشرے میں دینی تعلیمات کے نفاذ کو عملی شکل دی جاسکے ایک ضروری امر ہے۔

" كَانَ ٱلنَّاسُ أُمَّةً وَٰحِدَةً فَبَعَثَ ٱللَّهُ ٱلنَّبِيِّـۧنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ فِيمَا ٱخْتَلَفُوا۟ فِيهِ ۚ وَمَا ٱخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا ٱلَّذِينَ أُوتُوهُ مِنۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ ٱلْبَيِّنَٰتُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۖ فَهَدَى ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لِمَا ٱخْتَلَفُوا۟ فِيهِ مِنَ ٱلْحَقِّ بِإِذْنِهِۦ ۗ وَٱللَّهُ يَهْدِى مَن يَشَآءُ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ " (بقرہ، ۲۱۳)

لوگ (شروع میں) ایک ہی گروہ میں شامل تھے (اور انکے درمیان اختلاف نہیں تھا، پھر تدریجی طور پر معاشرے اور طبقات وجود میں آتے گئے اور یوں ان کے درمیان اختلاف شروع ہوگیا، دراین اثنا) خداوند عالم انبیاء کو مبعوث کیا تاکہ وہ لوگوں کو بشارت دیں اور خبردار کریں اور ان پر برحق کتاب نازل کی جو کہ حق کی دعوت دیتی تھی تاکہ لوگوں کے درمیان اختلافی مسائل میں جو ان کے درمیان میں، قضاوت کریں، (البتہ جو صاحب ایمان لوگ تھے ان کے درمیان اختلاف نہیں تھا) صرف ان لوگوں میں ایک گروہ ایسا تھا جس کے پاس کتاب آچکی تھی اور روشن ہدایات بھی ان تک پہنچ گئی تھیں لیکن انہوں نے حق سے منحرف ہونے اور ستمگری کی بناء پر اختلاف کیا، خداوند عالم نے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لاچکے تھے، ان کے درمیان پائے جانے والے اختلاف کو اپنے حکم کے ذریعہ قیادت کی۔ (تاہم ایمان نہ لانے والے اسی طرح اختلاف اور گمراہی میں پڑے رہے) اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی جانب ہدایت فرماتا ہے۔

بنابرین، معاشرے کی ادارت و نظامت اور معاشرے کے اندر افراد اور دیگر معاشروں کے درمیان تعلقات کی استواری، قیام نظم کے لئے تدبیر اور منصوبہ بندی کی ضرورت ہوا کرتی ہے کہ جس کو سیاست کہا جاتا ہے، سیاست یعنی تدبیر اور منصوبہ بندی نیز معاشرے کے اندر اور باہر روابط و تعلقات کی تنظیم و منصوبہ بندی کا اس طرح ہونا کہ اس کی سعادت کی فراہمی ممکن ہوسکے، اور یہ سیاست انسان کی زندگی کے سبھی گوشوں میں شامل و محیط ہے کیونکہ دنیا سیاست وتدبیر اور منصوبہ بندی کے تحت ہی چلا کرتی ہے۔ (رک، طباطبایی، المیزان، ج۲، ص۳۰۷)

سیاست کا موضوع طاقت ہے اور سیاست تبھی نافذ العمل ہو سکتی ہے جب اس کے اختتام میں طاقت ہو، قرآن مجید ایک صالح و عدالت پسند قائد کی مرکزیت کے تحت مسلمانوں کی طاقت و اتحاد اور عدم ضعف پر تاکید کرتا ہے، کیونکہ اس کا ماننا ہے کہ برتری صرف خدا کے صالح اور مومن بندوں کو ہی ملا کرتی ہے۔

" وَأَطِيعُواْ ٱللَّهَ وَرَسُولَهُۥ وَلَا تَنَٰزَعُواْ فَتَفْشَلُواْ وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْۖ وَٱصْبِرُوٓاْۚ إِنَّ ٱللَّهَ مَعَ ٱلصَّٰبِرِينَ " (انفال، ۴۶)

اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کی اطاعت کرو اور (آپس میں لڑائی) جھگڑا نہ کرو کہ تم کمزور پڑ جاؤ اور تمہاری طاقت اور شان و شوکت جاتی رہے، اور صبر اختیار کرو کیونکہ اللہ استقامت برتنے والوں کے ساتھ ہے۔

" وَلَا تَهِنُواْ وَلَا تَحْزَنُواْ وَأَنتُمُ ٱلْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ " (آل عمران، ۱۳۹)

اور سست و غمزدہ نہ رہو، اور اگر تمہارے اندر ایمان ہوگا تو تم برتر کہلاؤ گے۔

" فَلَا تَهِنُواْ وَتَدْعُوٓاْ إِلَى ٱلسَّلْمِ وَأَنتُمُ ٱلْأَعْلَوْنَ وَٱللَّهُ مَعَكُمْ وَلَن يَتِرَكُمْ أَعْمَٰلَكُمْ " (محمد، ۳۵)

بنابریں، ہر گز کمزور (وسست) نہ پڑو اور دشمنوں کو (ذلت آمیز) صلح کی دعوت نہ دو جب کہ تم برتری کی حالت میں ہو اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور وہ تمہارے نیک اعمال میں سے کچھ کم کرنے والا نہیں ہے۔

قرآن مجید اس مقصد کے حصول کے لئے مسلمانوں کے مفادات نیز آشکار و پنہاں دشمنوں کے تسلط سے بچانے کے لئے معاشرے کے تمام امکانات اور وسائل و ذرائع کی فراہمی کی نصیحت و تاکید فرماتا ہے۔

" وَأَعِدُّواْ لَهُم مَّا ٱسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ وَمِن رِّبَاطِ ٱلْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِۦ عَدُوَّ ٱللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَءَاخَرِينَ مِن دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ ٱللَّهُ يَعْلَمُهُمْۚ وَمَا تُنفِقُواْ مِن شَىْءٍ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَأَنتُمْ لَا تُظْلَمُونَ " (انفال، ۶۰)

تمہارے اندر جتنی بھی طاقت و اختیار ہے اسے دشمن سے مقابلے کے لئے تیار رکھو اور اسی طرح سدھائے ہوئے گھوڑوں کو میدان جنگ میں شہادت کے لئے تیار رکھو تاکہ اس کے ذریعہ اپنے اور خدا کے دشمنوں کے

دلوں میں رعب بٹھا سکو اور اسی طرح ان دوسرے گروہوں کو جنہیں کہ تم نہیں پہنچانتے لیکن اللہ انہیں پہچانتا ہے ڈراؤ اور اللہ کی راہ میں اسلام کی دفاعی طاقت کو مضبوط بنانے کے لئے جو کچھ بھی تمہارے پاس ہے انفاق کرو، وہ سب تمہیں بعد میں پورا پورا لوٹا دیا جائے گا اور تم پر ذرہ برابر بھی ظلم نہ ہوگا۔

معاشرہ اور طاقت (یعنی سیاست) کا ایک دوسرے کے ساتھ بہت عمیق تعلق ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کے درمیان جدائی ناممکن ہوا کرتی ہے، طاقت ایک ایسا مفہوم ہے کہ جس پر زیادہ تر علوم میں توجہ دی گئی ہے لیکن سماجی علوم خاص کر سیاسی علوم میں اس کو بڑی اہمیت دی گئی ہے، قرآن مجید انبیاء اور صالح رہنماؤں کے ذریعہ جس خدا پسند و انصاف پسند طاقت و سیاست کا فلسفہ پیش کرتا ہے اس میں معاشرے کی دنیاوی و اخروی سعادت کو ملحوظ خاطر رکھا گیا ہے اور وہ مغرب زدہ انسانوں کی نظر میں سیاست کی تعریف سے کوسوں دور ہے کیونکہ یہ سیاست، طاقت و اقتدار کے مالک و خواہاں لوگوں کا مقصد سے بالکل الگ ہے۔

ماکس ویبر، سیاسی طاقت کی اس طرح توصیف کرتے ہیں: سیاسی میدان میں طاقت، انسان کو اس بات کا امکان فراہم کرتی ہے کہ دوسروں کی مخالفت و استقامت کے باوجود لوگوں پر اپنا نظریہ مسلط کرسکے۔ (ماکس ویبر، مفاہیم اساسی جامعہ شناسی، ص ١٣٩)

کارل مارکس کا کہنا ہے: سیاست کا مطلب، ایک گروہ کا دوسرے گروہ پر جبریہ طاقت کا استعمال عمل میں لانا ہے۔ (مارکس، مانیفسٹ کمیونسٹ، ص ٨١)

لیکن قرآن کی نظر میں کسی انسان کے ارادے کو کسی دوسرے پر بزور طاقت مسلط کرنے کا نام نہیں ہے بلکہ قرآن مجید تو اس نظریئے کی تردید و نفی کرتا ہے اور اس صفت کو ظالمانہ اور فرعونیت پر مبنی جانتا ہے۔

'' فَٱسْتَخَفَّ قَوْمَهُۥ فَأَطَاعُوهُ ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا۟ قَوْمًا فَٰسِقِينَ '' ۔ (زخرف، ٥٤)

(فرعون نے) اپنی قوم کو کمتر سمجھا، لہٰذا انہوں نے اس کی اطاعت کی وہ فاسق قوم تھی۔ قرآن مجید ایک گروہ کے ذریعہ دوسرے گروہ کو دبائے جانے اور سرکوب کرنے کے طرز فکر کو تسلط پسندانہ (ظلم) اور فساد پر مبنی طرز فکر قرار دیتا ہے:

" قَالَتْ إِنَّ الْمُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَرْيَةً أَفْسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهْلِهَا أَذِلَّةً وَكَذَٰلِكَ يَفْعَلُونَ "؛ (نمل، ۳۴)

اس نے کہا کہ بادشاہ جب آباد والے علاقہ میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ و برباد (ویران) کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت داروں کو ذلیل و خوار کر دیتے ہیں، ہاں انکے کام ہی ایسے ہوتے ہیں۔

مسلم دانشوروں کی ایک تعداد نے سیاست سے متعلق طاقت کو مادی و معنوی عوامل کا ایک ایسا مجموعہ قرار دیا ہے جو ایک فرد یا گروہ کے ذریعہ کسی فرد یا گروہ کو مطیع و اطاعت گزار بنانے کا باعث ہوتا ہے، (عمید زنجانی، فقہ سیاسی، ج ۲، ص ۶۵)

شاید اس تعبیر و توصیف کو اس آیت کے ذریعہ بہتر طریقہ سے ثابت کیا جاسکتا ہے:

" وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْعَالَمِينَ؛" (بقرہ، ۲۵۱)

اور اگر اسی طرح خداوند عالم بعض کو بعض کے ذریعہ نہ روکتا رہتا تو ساری زمین میں فساد پھیل جاتا لیکن خداوند عالم عالمین پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔

قرآن کی نظر میں طاقت کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے تمام مادی و معنوی امکانات و ذرائع کا استعمال عمل میں لایا جائے اور فرد و افراد معاشرہ کے درمیان عدل و انصاف قائم اور فلاح و کامیابی اور صلاحیتوں کو اجاگر کیا جاسکے۔

قرآن کی نظر میں طاقت کا محور و مرکز صرف اللہ ہے تاہم مغرب والوں کی نگاہ میں اس کا مرکز و محور انسان ہے، قرآن مجید میں طاقت اللہ سبحانہ تعالیٰ کے ارادے کی تکمیل ہے لیکن مغرب والوں کی نظر میں طاقت انسانوں کے ارادے اور مقاصد کے حصول کے لئے مخصوص ہے۔

"الَّذِينَ إِنْ مَكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلَّهِ عَاقِبَةُ الْأُمُورِ" ؛(حج، ۴۱)۔ بے شک ہم ان لوگوں کو زمین میں طاقت عطا کرتے ہیں جو نماز قائم

کرتے ہیں اور زکات دیا کرتے ہیں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کیا کرتے ہیں اور سبھی امور کا انجام کار اللہ کے اختیار میں ہے۔

اسلام نے حکومت کی تشکیل کو جو کہ طاقت کا مظہر ہی نہیں بلکہ طاقت کا لازمہ بھی ہے، بہت زیادہ اہمیت دی ہے اور امامت کو بھی کہ جس کی ذمہ داری معاشرے کی سیاست سے مربوط ہے، خاصی اہمیت دی ہے۔

انبیائے الٰہی کا ایک گروہ معاشرے کی قیادت و رہنمائی کی ذمہ داری سنبھالے ہوا تھا یعنی انہوں نے امامت اور رسالت دونوں ہی عہدوں کی ذمہ داریاں سنبھال رکھی تھیں کہ ان جملہ اور سرکردہ ہستیوں میں حضرت ختمی مرتبت محمد ﷺ کا نام گرامی سر فہرست ہے اور اس عہدے کی تعبیر امامت عامہ سے کی جاتی ہے۔

ہمیشہ اور ہر زمانے میں لوگوں کے درمیان خدا کی جانب سے منسوب امام و رہنما کا ہونا ضروری ہے، چاہے اس کے پاس نبوت و رسالت کا عہدہ ہو یا صرف ولایت کے ہی عہدے پر فائز ہو۔ (مکارم شیرازی، پیام قرآن، ج۹، ص ۴۳)

تمام اسلامی فرقوں نے امامت و قیادت کو واجبی و لازمی امر قرار دیا ہے اور امت الامیہ پر واجب ہے کہ عادل قائد کی پیروی کریں تاکہ وہ انکے درمیان الٰہی قوانین کا نفاذ عمل میں لاتے ہوئے احکام اسلامی کی مدد سے معاشرے کی قیادت کرسکے۔ جو کچھ کہ اس سلسلہ میں اختلاف کا موجب ہے وہ خلیفہ و امام کے صفات ہیں کہ جن پر اختلاف رائے ہے۔ (قلمکاروں کا گروہ، امامت پژوہی، ص ۹۳)

تاہم قرآن مجید میں امامت خاصہ یعنی بعد پیغمبر اکرم ﷺ جانشینی کو دینی امور اور احکام اسلامی کے نفاذ کے لئے سرپرستی و حاکمیت کے مسئلہ پر بہت زیادہ توجہ اور تاکید کی گئی ہے۔

مذکورہ باتوں کے پیش نظر ہر معاشرے کی تدبیر وہدایت اور راہنمائی کے لئے ایک قائد کا ہونا ضروری ہے تاکہ ان پروگراموں کا نفاذ عمل میں آسکے، شیخ طوسی کہتے ہیں:

لفظ امام کے دو اصطلاحی معنی کئے گئے ہیں ایک تو قول و فعل میں امام کا مقتدا ہونا مراد ہے؛ دوسرے یہ کہ امام اس کو کہا جاتا ہے جو تمام امور میں تدبیر و سیاست سے کام لیتا ہو اور معاشرے دین کا دفاع کرتا ہو اور اس

کے دشمنوں سے پیکار کے لئے آمادہ رہتا ہو، اسی طرح امیروں کی ولایت و قاضاوت کا تعین کرنے کے ساتھ حدود الٰہی کا پاس و لحاظ رکھتا ہو وغیرہ۔ (طوسی، الرسائل العشر، ص۱۱۱)

شیعہ ثقافت میں پیغمبر اکرم ﷺ کی ترجمانی کرنے والے کو امام کہتے ہیں اور اس کا کلام بھی وصی کی ترجمانی و بیان میں حجت ہے اور واجب الاطاعت ہوتا ہے، اسی طرح لوگوں کے سماجی امور چاہے وہ فوجی ہوں یا سیاسی و اقتصادی یا خارجہ امور وغیرہ سے تعلق رکھتے ہوں ان سب میں اس کے حکم کی اطاعت لازمی ہوتی ہے۔ (مصباح یزدی، رہنما شناسی، ص۴۱۰)

حضرت امام علی علیہ السلام خوارج کے جواب میں جو دنیاوی حکومت کو خدا سے مخصوص مانتے تھے، فرماتے ہیں:

''وَ اِنَّه لَاُبدّ لِلنَّاسِ مِنْ اَمِیرٍ بَرٍّ اَوْ فَاجِرٍ یَعْمَلُ فِی اِمْرَتِهِ المُومِنُ وَ یَسْتَمْتِعُ فِیهَا الکَافِرُ وَ یُبَلِّغُ اللهُ فِیهَا الْاَجَلَ وَ یُجْمَعُ بِه الْفَیْ وَ یُقَاتَل بِه العَدُوُّ وَ تَاْمَن بِه السُّبُلُ وَ یُوخَذُ بِه لِلضَّعِیفِ مِنَ الْقَوِیّ حَتّٰی یَسْتَرِیحَ بَرٌّ وَ یَسْتَرَاحَ مِنْ فَاجِر'' (نہج البلاغہ، خطبہ ۴۰)

لوگوں کو اچھے یا برے حاکم امور کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ مومن حکومت کے زیر سایہ اپنے کام میں لگے رہیں اور کافر بھی اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں، اور لوگ حکومت کے استقرار و قیام کے بعد اپنی زندگی گذار سکیں، حکومت کے ذریعہ بیت المال کو اکٹھا کیا جاتا ہے اور اس کی مدد سے دشمنوں سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے، راستوں پر امن و امان کو بحال کیا جاتا ہے اور طاقتوروں کے ہاتھوں سے کمزوروں کو ان کا حق دلایا جاتا ہے اور نیک خو اور اچھے لوگ بد قماشوں سے محفوظ رہتے ہیں۔

حضرت امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں:

امامت، انبیاء کا مقام و مرتبہ اور اوصیاء کی میراث ہے اور امامت زمین خدا پر خلافت خداوندی ہے۔ امامت، مسلمانوں کے نظام کی دینی مہار و عہدہ ہے اور مومنوں کی مصلحت و عزت کا ذریعہ ہے، امامت اسلام کی ترقی یافتہ بنیاد اور اسی کے ساتھ اس کا مستحکم و بلند ستون بھی ہے، امام کی وجہ سے نماز و روزہ اور حج و جہاد وغیرہ

مکمل ہوتے ہیں، امام ہے جو حلال خدا کو حلال اور حرام خدا کو حرام اور اس کے حدود کی نگہداشت کرتا ہے اور دین خدا کی حفاظت کرتا ہے اور لوگوں کو نیک اور اچھی نصیحت و موعظہ کے ساتھ مطمئن دلائل کے ذریعہ خدا تک رسائی کا راستہ دکھاتا ہے۔ (کلینی، اصول کافی، ج ۲، ص ۱۱۷)

۶/۱۔ سیاسی و سماجی امور میں دو آیتیں بطور نمونہ

" اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُم فَلَا تَخْشَوهُمْ وَاخْشَوْنِ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَ أَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الإِسْلاَمَ دِيناً..؛ (مائدہ، ۳)

آج کافروں کو تمہارے قوانین (کے زوال) کو لے کر مایوسی ہوئی ہے، بنابریں، تم ان سے خوف نہ کھاؤ، اور میری مخالفت سے ڈرو، آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور اسلام کو دائمی دین کے عنوان سے قبول کیا۔

قرآن مجید کی جملہ سیاسی و سماجی آیات کہ جن میں پیغمبر اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد معاشرے کی قیادت کو پیش کیا گیا ہے اور اس کو دین کو مکمل کرنے نیز دین کی تباہی کے سلسلہ میں دشمنوں کے مایوس و ناامید ہونے کی بات کی گئی ہے وہ کمال دین والی آیت ہے کہ جس میں ابلاغ ولایت کے موضوع کو پیش کیا گیا ہے (مائدہ، ۶۷) جو کہ پیغمبر اکرم ﷺ کی رحلت کے بعد حکومت کی تشکیل کے لئے ایک سیاسی دستور ہے۔

علامہ طباطبائی فرماتے ہیں: کافروں کی دین سے مایوسی اور ناامیدی کی وجہ یہ ہے کہ امامت کی وجہ سے دین، " شخصی و فردی حامل " یعنی پیغمبر اکرم ﷺ کے پاس سے " نوعی و وصفی حامل " یعنی امامت کے پاس پہنچ گیا اس لئے کہ وہ " مرحلہ حدوث " سے " مرحلہ بقاء تک " پہنچ گیا ہے (طباطبائی، المیزان، ج ۵، ص ۱۷۶)۔ پیغمبر اکرم ﷺ کے ذریعہ دین کی آمد دین کے حدوث کا سبب بنی اور امامت کے ذریعہ دین کی بقا دوام کا امکان فراہم ہوا۔

قطعی و فطری طور پر اسلامی معاشرے میں قیادت کا مسئلہ ان اہم اور نمایاں ترین مسائل میں سے ایک ہے کہ جس کا اکمال دین سے سیدھا تعلق ہے۔ اور لوگ یہ واقفیت رکھتے ہیں کہ امام معصوم معاشرے کا دینی و سیاسی قائد ہوا کرتا ہے۔ (مدرس یزدی، من ھدی القرآن، ج ۲، ص ۲۹۷)

۲۔ ''يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ'' (آل عمران، ۲۰۰)

یہ آیت قرآن مجید کی سیاسی و سماجی آیات میں سے ایک ہے کہ جس میں فردی و اجتماعی و سماجی حکم کے ساتھ دینی قیادت کے گرد جمع ہونے اور ان کے احکام کی اطاعت کو لازمی قرار دیا گیا ہے اور اہل بیت علیہم السلام سے اردہ روایات سے بھی اس بات کی تائید ہوتی ہے۔

عَنْ اَبِي عَبْدِ اللهِ: ''اِصْبِرُوا عَلَى الْاَذٰى فِيْنَا. قُلْتُ: ''وَ صَابِرُوا'' قَالَ عَلٰى عَدُوِّكُم مَعَ وَلِيِّكُمْ قُلْتُ و رَابِطُوا'' قَال: المَقَامُ مَعَ اَمَامِكُمْ '' وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ '' قُلْتُ: تَنْزِيْل، قَالَ: نَعَم۔''
(عیاشی، تفسیر عیاشی، ج۱، ص ۲۱۳)

عَنْ اَبِي بَصِيرٍ قَالَ: ''سَاَلْتُ اَبَا عَبْدِ اللهِ عَلَيه السَّلَامُ عَنْ قَولِ اللهِ عَزَّ وَجَلَ: يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوا وَ رَابِطُوْا، فَقَالَ اصبِرُوْا عَلَى الْمَصَائِبِ وَ صَابِرُوْهُمْ عَلَى التَّقِيَّةِ وَ رَابِطُوا عَلَى مَنْ تَقْتَدُونَ بِهِ وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُم تُفْلِحُونَ۔ '' (ابن بابویہ، معانی الاخبار، ص۳۶۹)

عَنْ اَبِي عَبْدِ اللهِ: '' يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَ رَابِطُوا، اصبِرُوا عَلٰى دِيْنِكُم وَ صَابِرُوا عَلٰى عَدُوِّكُمْ وَرَابطُوا اِمَامَكُمْ فِيمَا اَمَرُكُم وَفَرَضَ عَلَيْكُمْ۔ (بحرانی، البرہان، ج۱، ص ۳۳۲)

''اصبروا'' یہ صبر اس فرد کے لئے ہے جو صبر کی اقسام منجملہ معصیت وگناہ پر صبر اور طاعت و مصیبت پر مبنی ہو، لیکن ''صابروا'' ایک سیاسی و سماجی حکم ہے جس کا تعلق ایسے اجتماعی صبر سے ہے جو مصائب و مشکلات کے موقع پر اجتماعی روح کے ساتھ کیا جاتا ہےاور لوگ دوسروں کے صبر کے بھروسے صبر کرتے ہیں اور پریشانیوں کو برداشت کرنے کامادہ رکھتے ہیں۔ اور ''رابطوا'' مصابرہ سے بڑھ کر ایک عام معنی دیتا ہے اور ایک ایسی جماعت و جمعیت اور معاشرے کے وجود میں آنے کے مفہوم کو بیان کرتا ہے کہ جس میں سبھی ایک دوسرے کو معنی و مفہوم اور یکسانیت و یک سوئی پر بنی طاقت و توانائی فراہم کرتے ہیں کہ جس کا مرکز و محور رہبر و امام ہوا کرتا ہے اور اس کے حکم کی تابعداری و اطاعت کی بنیاد پر تمام مشکلات اور پریشانی ایک دوسرے کے ساتھ اور شانہ بہ شانہ ہوتے ہیں۔

قرآن کریم میں ایسی متعدد تاریخی آیات موجود ہیں کہ جن کے اندر سیاسی و سماجی کارکردگی منجملہ، سیاسی، شقوق، سماجی گروہ، کافروں اور منافقوں سے برتاؤ کے طریقہ کار، سلوکی روش نیز دیگر اقوام و مذاہب کے لوگوں کے ساتھ تعلقات اور دشمنوں سے مقابلے وغیرہ کی روش جیسے مسائل موجود ہیں کہ بحث طولانی نہ ہو جائے اس لئے ان سے چشم پوشی اختیار کرتے ہوئے اس بابت تحقیق و مطالعہ کی ذمہ داری محققین کے حوالے کرتے ہیں۔

۷۔ نتیجہ و ماحصل

۔قرآن مجید تاریخ سے استفادہ کرتے ہوئے سب سے پہلے مرحلہ میں تعلیمی مقصد کو پیش کرتا ہے اور اپنی ہدایات کے بعد مرحلہ وار انسانی و معاشرتی انفرادی و اجتماعی تربیت کا مسئلہ پیش کرتا ہے کیونکہ یہ تجربات انسانوں کو سیکھنے اور فائدہ اٹھانے کا موقع فراہم کرتے ہیں اور ماضی کو مستقبل سے متصل کرتے ہیں۔

۔قرآن مجید غلط اعتقادات کی اصلاح کی خاطر اہم تاریخی واقعات و حوادث کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ مسلمانوں کے شرک آمیز نظریات کی تصحیح، جنگ احد کی شکست کے وجوہات کو بیان کرتا ہے۔

۔ تاریخ سے عبرت حاصل کرنے کی روش، قرآن مجید کی موثر ترین تربیتی روش ہے، قرآن مجید انسانوں کو ماسبق لوگوں سے سبق اور وعبرت حاصل کرنے کی نصیحت کرتا ہے۔

۔قرآنی تعلیمات، فطرت انسانی اور اس کی فطری صلاحیتوں کی ترقی و بالندگی کے لئے نازل ہوئی ہیں، اس نے آئیڈیل کو اپناتے وقت ابنائے بشر کی فطری ضروریات پر توجہ دینے کے ساتھ ساتھ حقیقت پر مبنی مثالوں کو مد نظر رکھا ہے نہ کہ تصورات و خیالات پر مبنی آئیڈیل اور نظریات اور قرآن مجید تربیت پر مبنی آئیڈیل کی روش کو انسانی ترقی کے لئے پیش کرتا ہے، اسی طرح قرآن مجید اس پہلو پر بھی توجہ دیتا ہے کہ ہر مثال اور آئیڈیل پیروی کے لائق نہیں ہوا کرتا ہے۔

۔قرآن مجید نے کسی بھی تاریخی واقعہ یا سانحہ کو صرف ایک تاریخی واقعہ یا حادثہ کی حیثیت سے نقل نہیں کیا ہے بلکہ اس مسئلہ میں اس کا مقصد ہدایت و آگاہی رہا ہے، یہ دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ قرآن مجید میں بیان شدہ تمام تاریخی قوانین اور سنتیں لوگوں کو ان سے متعارف کرانے کے لئے پیش کی گئی ہیں۔

۔ قرآن میں تاریخی واقعات کو نقل کرنے کی دوسری وجہوں اور مصلحتوں میں سے ایک اہم وجہ یہ ہے کہ ان کے مصادیق سے متعلق کچھ ایسی آیات ہیں جو کہ پوری ادوار تاریخ میں معاشروں کی عظمت اور انحطاط کے وقائع کو بیان کرتی ہیں تاکہ معاشروں کو کمال وترقی تک رسائی دلانے میں معاون ومددگار ثابت ہوسکیں۔

۔ معاشرے کا اپنا ایک مستقل وجود ہے کہ جس کے تحت اجتماعی سرنوشت مر قوم ہوتی ہے اور قرآن مجید معاشرے کے لئے حقیقی و عینی وجود کا قائل ہے اسی لئے اس نے اس کے لئے ایک مستقل منصوبہ بندی اور پروگرام قرآن میں پیش کیا ہے۔

۔ ''ایک قوم کے لئے کسی خاص پیغمبر کا وجود'' ، ''اقوام عالم کے نامہ عمل اور مشترکہ سرنوشت'' ، ''انسانوں کا مشترکہ عمل'' اور ''اقوام کی اموات'' ان سب کا قرآن مجید میں تذکرہ یہ اس بات کی علامت ہے کہ قرآن معاشرے کو ایک استقلالی اور حقیقی زاویہ نگاہ سے دیکھتا ہے۔

۔ معاشرے کی ترقی و کمال اور سعادت کے لئے اسے ایک جامع اور بامقصد لائحہ عمل کی ضرورت ہوتی ہے، قرآن مجید اس کے لئے ایک ایسا منظم پروگرام وحی کی بنیاد پر پیش کرتا ہے کہ جس سے انسان اور معاشرے کی دنیاوآخرت کی سعادت کی ضمانت فراہم ہوتی ہے۔

الغرض پیغمبر اکرم ﷺ نے وحی دریافت کرنے اور اسے لوگوں تک پہنچانے اور وضاحت پیش کرنے کے بعد، انفرادی ہدایت کا سامان فراہم کیا اور سیاسی نظام نیز دینی حکومت قائم کرکے اسلام کے سیاسی۔ دینی نظام کو وسعت دینے میں کامیابی حاصل کی۔

نوٹ:

۱۔ قرآن مجید نے اپنا آئیڈیل اور مثال: ''ضَرَبَ اللهُ مَثَلًا'' کی عبارت کے ذریعہ کیا ہے:

'' ضَرَبَ اللهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتَ نُوحٍ وَامْرَأَتَ لُوطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا فَلَمْ يُغْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللهِ شَيْئاً وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّاخِلِينَ '' ؛

" وَضَرَبَ ٱللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ ءَامَنُواْ ٱمۡرَأَتَ فِرۡعَوۡنَ إِذۡ قَالَتۡ رَبِّ ٱبۡنِ لِي عِندَكَ بَيۡتٗا فِي ٱلۡجَنَّةِ وَنَجِّنِي مِن فِرۡعَوۡنَ وَعَمَلِهِۦ وَنَجِّنِي مِنَ ٱلۡقَوۡمِ ٱلظَّٰلِمِينَ " (تحریم، ۱۰۔ ۱۱)

خداوند عالم نے ان لوگوں کے لئے جو کافر ہوگئے ہیں نوح کی بیوی اور لوط کی بیوی کی مثال پیش کی ہے، وہ دونوں بیچارے دو صالح بندوں کی زوجیت میں تھیں لیکن ان دونوں نے خیانت کی تو ان دونوں (رسولوں) کے ساتھ تعلقات (زوجیت) نے (عذاب الٰہی سے) بچانے میں انہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا اور ان سے کہا گیا: داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی جہنم میں داخل ہو جاؤ۔

اور خداوند عالم نے مومنوں کے لئے فرعون کی زوجہ کی مثال پیش کی ہے، اس وقت جب انہوں نے یہ دعا کی کہ اے میرے پروردگار میرے لئے جنت میں گھر بنا دے اور مجھے فرعون اور اس کے کاموں سے نجات دلا دے اور مجھے پوری ظالم قوم سے نجات عطا کر دے۔

۲۔ رجوع کریں: سید محمد حسین طباطبائی، المیزان، ج ۴، ص ۹۱۔

کتابنامہ

قرآن کریم، ترجمہ ناصر مکارم شیرازی

نہج البلاغہ، ترجمہ محمد دشتی

ابن بابویہ محمد بن علی صدوق، من لایحضرہ الفقیہ، غفاری، علی اکبر دوم، قم، جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قوم ۱۴۱۳ھ

۔۔۔ معانی الاخبار، چاپ اول، قوم، انتشارات جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قوم، ۱۴۰۳ھ

بحرانی، ہاشم، البرہان فی تفسیر القرآن، تحقیق بنیاد بعثت، چاپ اول، قم، موسسہ بعثت، ۱۴۱۵ ھ

جمعی از نویسندگان زیر نظر محمود یزدی مطلق، امامت پژوہی بررسی دیدگاہ امامیہ، معتزلہ و اشاعرہ، مشہد، دانشگاہ علوم اسلامی رضوی، ۱۳۸۷ش

دلشاد تہرانی، مصطفیٰ، سیری در تعلیم و تربیت، چاپ سوم، تہران، نشر و تحقیقات ذکر، ۱۳۷۷ش

راغب اصفہانی، مفردات الفاظ القرآن، چاپ دوم، تہران، انتشارات مرتضوی، ۱۳۷۶ش

سیف، علی اکبر، روانشناسی پرورشی، تہران، انتشارات آگاہ، ۱۳۷۱ش

طباطبائی، سید محمد حسین، المیزان فی تفسیر القرآن، قم جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم، بی تا
ـــ الرسائل العشر، قم، جامعہ مدرسین حوزہ علمیہ قم، بی تا
عمید زنجانی، عباس علی، فقہ سیاسی، تہران، امیر کبیر، ۱۳۶۷ش
عیاشی، محمد بن مسعود، تفسیر العیاشی، تحقیق سید ہاشم رسولی محلاتی، چاپ اول، تہران، مکتبۃ العلمیۃ الاسلامیہ، ۱۳۸۰ش
فخر رازی، محمد بن عمر، مفاتیح الغیب، (تفسیر کبیر) چاپ سوم، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۰ھ
فیومی، احمد، المصباح المنیر، چاپ سوم، ایران، موسسہ دار الہجرہ، ۱۴۲۵ھ
قمی، علی ابن ابراہیم، تفسیر قمی، چاپ چہارم، قم، دار الکتاب، ۱۳۶۷ش
قمی مشہدی، محمد بن محمد رضا، تفسیر کنز الدقایق و بحر الغرایب، چاپ اول، تہران، وزارت ارشاد اسلامی، ۱۳۶۷ش
کلینی، محمد بن یعقوب، الکافی، مصحح علی اکبر غفاری و محمد آخوندی، تہران، دار الکتب الاسلامیہ، ۱۴۰۷ھ
ماتریدی، محمد بن محمد، تاویلات اہل السنۃ (تفسیر ماتریدی) چاپ اول، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۶ھ
مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، بیروت، دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۳ھ
مدرسی یزدی، محمد تقی، من ہدی القرآن، چاپ اول تہران، دار محبی الحسین، ۱۴۱۹ھ
مارکس، کارل، مانیفست کمونیست، ترجمہ محمد پور ہرمزان، تہران، انتشارات حزب تودہ ایران، ۱۳۵۹ش
مصباح یزدی، محمد تقی، رہنما شناسی، چاپ اول، قم، مرکز مدیریت حوزہ علمیہ قم، ۱۳۶۷ش
ـــ آموزش فلسفہ، چاپ سیزدہم، تہران، شرکت چاپ و نشر بین الملل، ۱۳۹۱ش
مصطفوی، حسن، التحقیق فی کلمات القرآن الکریم، چاپ اول، تہران، وزارت فرہنگ و ارشاد اسلامی، ۱۳۶۸ش
مطہری، مرتضی، مجموعہ آثار، تہران، صدرا، ۱۳۵۹ش
ـــ جامعہ و تاریخ، تہران، بنیاد علمی فرہنگی شہید مرتضی مطہری، نسخہ دیجیتالی
مکارم شیرازی، ناصر، تفسیر نمونہ، چاپ اول، تہران، دار الکتب الاسلامیہ، ۱۳۷۶ش
ـــ پیام قرآن، چاپ اول، قوم، نسل جوان، ۱۳۷۳ش
ویر، مارکس، مفاہیم اساسی جامعہ شناسی، ترجمہ احمد صدارتی، چاپ سوم، تہران، نشر مرکز، ۱۳۷۵ش
واحدی، محمد بن احمد، الوسیط فی تفسیر القرآن المجید، چاپ اول، قاہرہ، لجنۃ احیاء التراث الاسلامی، ۱۴۱۶ھ